تحقیق و تنقید

آراضیٔ ہند کی شرعی حیثیت

ایک تاریخی جائزہ

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی

برصغیر پاک و ہند کی مسلم فتح کے بعد آراضیٔ ہند کی شرعی، قانونی اور عملی حیثیت مسلم ماہرین فن، علمائ اسلام اور سلاطینِ وقت نے متعین کی۔ اموی دور میں سندھ کی اسلامی فتح، ترکوں کے ہاتھوں دہلی سلطنت کے قیام اور مغل سلطنت کے انتظام میں اسلامی زرعی احکام و قوانین کا نفاذ اکثر و بیشتر حالات میں ان شرعی اور قانونی احکام کی بنا پر کیا گیا جو مسلم حکمرانوں کو اپنے پیشرو اموی اور عباسی خلفاء سے میراث میں ملے تھے اور جن قوانین کو فقہائے اسلام نے اولین اسلامی صدیوں میں مرتب و مدون کیا تھا۔[۱] ہندی سلاطین عہد والیان ممالک اور حکامِ علاقہ جات نے بلاشبہ برصغیر کے ہند و قوانین و احکام کے علاوہ ہند و حکمرانوں کے احکام رواج اور معمول کو بھی مد نظر رکھا تھا۔[۲]

مختلف مسلم ادوارِ حکومت — سندھ کی عرب حکومت، سندھ و پنجاب پر غزنوی سلطنت، اور آخر میں مغل سلطنت — یعنی ۷۱۱ء سے ۱۸۵۷ء تک محیط ایک ہزار سالہ مسلم عہد میں آراضیٔ ہند کی شرعی، قانونی اور عملی حیثیت کا مطالعہ[۳] بنیادی طور سے دو حصوں میں کیا جا سکتا ہے۔ اول علماء اور فقہاء کے فتاوے اور ماہرینِ قانون کی آراء کے لحاظ سے اور دوم مختلف سلاطین کے احکام کے اجراء و نفاذ اور ان کی زرعی پالیسی کے حوالہ سے۔ اول طریقۂ بحث آراضیٔ ہند کی شرعی اور قانونی حیثیت کو اجاگر کرتا ہے اور دوم تاریخی ارتقاء کے ساتھ ساتھ مختلف ادوار میں مسلم سلاطین اور حکمرانوں کے طریقۂ کار اور عمل کو۔ اس مقالہ میں انھیں دونوں پہلوؤں سے بحث کی جائے گی۔

(الف) شرعی اور قانونی حیثیت

برصغیر کے کچھ علاقے خلافت راشدہ کے اولین دور میں زیرنگیں ہوئے لیکن اسلامی فتح کا اصل زمانہ اموی خلافت کا دور زریں ہے جب محمد بن قاسم نے والیٔ مشرق حجاج بن یوسف ثقفی کی ہدایت و رہنمائی میں سندھ اور مغربی پنجاب کے کچھ علاقے فتح کر کے وہاں اسلامی حکومت قائم کر دی[۲۴] چونکہ اموی دورِ خلافت میں ہندی مقبوضات و مفتوحات اسلامی خلافت کے ایک صوبہ (ولایت) کی حیثیت رکھتے تھے اس لیے وہاں اسلامی قوانین آراضی نافذ کیے گئے۔ ان کے مطابق آراضی تین قسم کی ہوتی تھی۔ (۱) آراضیٔ عہد (۲) آراضیٔ صلح اور (۳) مفتوحہ آراضی اور ان تینوں سے محاصل وصول کیے جاتے تھے۔

"عہد آراضی" کے باشندوں کے ساتھ ایک قطعی معاہدہ کے نتیجہ میں ان کی زمین مسلم حکومت کے قبضہ میں آتی تھی اس لیے فریقین کے درمیان باہمی رضامندی سے طے پانے والے معاہدہ کے مطابق اس عہد آراضی سے ایک مخصوص رقم سالانہ وصول کی جاتی تھی۔ اس میں اسلامی حکومت اور اس کے کارندے کمی تو کر سکتے تھے، مگر اضافہ کرنے کے مجاز نہ تھے۔ صلح آراضی مزاحمت کے بعد فریقین کے صلح نامے کے ذریعہ اسلامی خلافت کے زیرنگیں آتی تھی اور وہ بھی ایک مقررہ رقم سالانہ حکومتِ وقت کو ادا کرتی تھی۔ یہ دونوں رقوم "جزیہ" کی مد میں آتی تھیں اور ان کی آراضی پر کوئی اور محصول بالعموم عائد نہیں کیا جاتا تھا۔ مفتوحہ آراضی بزورِ شمشیر اسلامی خلافت کے ماتحت لائی جاتی تھی اور اس پر مالکانہ قبضہ کے لحاظ سے عشر یا خراج عائد کیا جاتا تھا اور غیر مسلم/ ذمیوں کو اپنی ذات کا جزیہ (جزیۃ علی الرقاب) بھی ادا کرنا ہوتا تھا[۲۵]

سندھ اور مغربی پنجاب میں اسلامی خلافت ــــ اموی اور عباسی دونوں ادوار ــــ میں تینوں قسم کی آراضی موجود تھیں لیکن عہد اور صلح آراضی کے حوالے بہت کم ملتے ہیں۔ خلافتِ اسلامی کے علماء و فقہاء اور مسلم خلفاء دونوں کے فتاویٰ و احکام کا نفاذ برصغیر کے اس حصے میں کیا گیا تھا۔ اموی خلفاء کے احکام اور اموی

اور عباسی ادوار کے فقہاء کے فتاویٰ و آراء سے واضح ہوتا ہے کہ سندھ و پنجاب پر عرب حکومت کے دوران عُشر اور خراج کی تقسیم جاری کی گئی [۶]

دہلی سلطنت کے فقہا اور ماہرین قانون و فنِ زراعت کے بیانات زیادہ واضح اور صریح ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ انھوں نے آراضیٔ ہند کو اسلامی قوانین کے مطابق عشری اور خراجی آراضی میں تقسیم کر کے ان کی شرعی اور قانونی حیثیت متعین کی تھی۔ ان میں مشہور مورخ ضیاء الدین برنی کی کتاب 'تاریخ فیروز شاہی' عبدالحمید محرر غزنوی کی 'دستور الالباب فی علم الحساب' صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی کی فتاوائے فیروز شاہی، عالم بن العلاء حنفی کی فتاوائے تاتارخانی اور مورخ شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی وغیرہ بہت اہم ہیں اور متعدد مباحث کے حوالے دیتی ہیں۔

عبدالحمید محرر غزنوی نے اپنے دستور الالباب میں عشر اور خراج دونوں کی تعریف کی ہے اور ان پر بحث کی ہے [۷]۔ چونکہ یہ کتاب مؤلفِ گرامی کے اپنے اظہارِ حقیقت کے مطابق اپنے فرزند اور دوسرے نویسندگانِ سلطنت کی رہنمائی اور مالی معاملات کی تعلیم کے لیے لکھی گئی تھی [۸]۔ اس لیے اس کے عشر اور خراج پر نظریاتی مباحث دہلی سلطنت میں ان کے اجرا و نفاذ کی بھی بالواسطہ شہادت دیتے ہیں [۹]

فتاوائے فیروز شاہی میں استفتاء اور فتویٰ کے معروف فقہی طریقہ کے مطابق خراج و عشر کا حوالہ دیا ہے۔ مثلاً ایک استفتاء ہے کہ خراجی آراضی کے مالک کو خواہ وہ مسلم ہو یا کافر خراج ادا کرنا ضروری ہے اور اس کا فتویٰ ہے کہ ہاں ضروری ہے۔ دوسرا سوال یہ کیا گیا ہے کہ اگر خراج و جزیہ دینے والے ذمی اپنی آراضی یا جائداد فروخت کر دیں تو وہ بیع و خرید جائز ہوگی اور اس کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ تیسرے استفتاء کہ ذمی کے عشری آراضی خریدنے کی صورت میں اسے عشر دینا ہوگا یا خراج؟ فتویٰ خراج کی ادائیگی کا دیا گیا ہے۔ اسی طرح مسلم کو خراجی آراضی خریدنے کی صورت میں خراج ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے [۱۰] جبکہ ڈاکٹر قریشی نے امام مالک کا مسلک فقہ فیروز شاہی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ خراجی زمین مسلم کے قبضہ میں آنے کے بعد عشری بن جاتی ہے [۱۱] انھوں نے مزید لکھا ہے کہ "اس (فیروز شاہ تغلق) کے عہد کے مفتیوں نے عشری زمینوں کے

سلسلہ میں فتاویٰ جاری کئے ہیں۔ تحفۃ الکرام میں یہ واقعہ درج ہے کہ فقہاء نے بعض علاقوں کو عشری قرار دیا[۱۲]۔

عہدِ فیروز شاہ تغلق کے ایک اہم ترین مورخ شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں عشر کے سلسلہ میں فقہائے عصر کی بحث کا حوالہ دیا ہے۔ جس کے مطابق انھوں نے سلطانِ وقت کی جاری کردہ نہروں سے آبپاشی کرنے کے سلسلے میں کسانوں سے اور دوسرے استفادہ کرنے والوں سے بطور "حقِ شرب" عشر وصول کرنے کا حق دیا تھا۔ اسی طرح خود سلطان فیروز شاہ نے اپنی فتوحاتِ فیروز شاہی میں عشر و خراج کا حوالہ دیا ہے۔ ان پر بعض پیچیدہ مباحث اور مورخین کے اختلافات کے سبب بعد میں بحث کی جائے گی۔ اس دور کے دوسرے نظریاتی، فقہی یا شرعی مصادر میں بہرحال عشر و خراج کے مباحث ملتے ہیں اور ان میں فتاوائے تاتارخانی، سیرتِ فیروز شاہی، فوائد فیروز شاہی، فتاوائے غیاثیہ، فتاوائے ابراہیم شاہی وغیرہ اہم ترین ہیں اختصار اور بعض مصادر کی سردست عدم دستیابی کے سبب ان کے مباحث کے حوالے نہیں دئے جاسکتے۔

بہرحال مذکورہ بالا حوالوں اور اقتباسات سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ شرعی اور قانونی لحاظ سے قدیم علمائے اسلام اور فقہائے کرام کی مانند دہلی سلطنت کے علمائے سامی و فقہائے گرامی یہ تسلیم کرتے تھے کہ سلطانِ وقت کو یہ قانونی اور دستوری حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مملکت کی آراضی کو ان کی نوعیت کے مطابق خراجی اور عشری قرار دے کر ان سے بالترتیب خراج اور عشر وصول کرے۔ ان سے نظریاتی طور پر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلم سلاطین دہلی اور دوسرے حاکمانِ وقت نے نہ صرف اسلامی احکامِ آراضی قبول کیے تھے بلکہ انھوں نے عشر و خراج کی تقسیم بھی قبول کرکے اسی کے مطابق عمل کیا تھا۔

مغل سلطنت

جہاں تک آراضیٔ ہند کے عشری اور خراجی زمینوں میں تقسیم ہونے اور ان کی شرعیت اور قانونی اور نظریاتی حیثیت کا تعلق ہے تو وہ بطور میراث دہلی سلطنت سے مغل سلطنت

کو بھی منتقل ہوئی تھی اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کی اس حیثیت پر مختلف نظریات و آراء کا ارتقاء بھی ہوا تھا۔ مغل عہد کے تاریخی مصادر کے علاوہ فقہی اور فنی مآخذ بھی آراضیٔ ہند کی مختلف نظریاتی اور شرعی حیثیتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

فتاوائے عالمگیری، جو مغل دور کی غالباً سب سے عظیم فقہی کتاب ہے، اپنی 'کتاب السیر' کے باب ہفتم میں عشر و خراج سے بحث کرتی ہے۔ عشری اور خراجی آراضی کی اقسام و وجوہ اور ان کے بارے میں علماء فقہ کا ہر مسئلہ کے ساتھ حوالہ دیتی ہے۔ وہ ابتدائی اسلامی عہد سے ان کے مختلف نظائر بھی لاتی ہے۔ اس عہد کے ضمن میں اس نے فتاوائے قاضی خاں، فتاوائے تاتارخانی، فتاوائے ظہیری وغیرہ کے اور خاص کر اول الذکر کے حوالے بکثرت دئے ہیں۔[13]

اسی کی معاصر شہادت دیوانِ گجرات محمد ہاشم کے نام اورنگ زیب کے فرمان (مجریہ ۱۶۶۹-۷۰ء) سے ملتی ہے جو فتاویٰ عالمگیری کی زبان و اسلوب میں عشر و خراج کے وجوہ و اقسام کا ذکر کرتا ہے۔ جدید مورخین نے اس فرمان کے نظریاتی اور عملی ہونے کے بارے میں خاصے متضاد خیالات کا اظہار کیا ہے لیکن بہر حال نظریاتی اور شرعی تعریف عشر و خراج سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا ہے۔[14]

عہدِ اکبری کے ایک اہم مؤلف عالم شیخ جلال الدین تھانیسری (م ۱۵۸۲ء) نے رسالہ در بیع آراضی میں بھی مغل سلطنت کے طول و عرض میں پائی جانے والی قابل کاشت آراضی کے حوالہ سے عشری اور خراجی آراضی کی تقسیمیں کی ہیں اور ان کے احکام بیان کیے ہیں۔[15] شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۱۵۳۷-۵۶ء) نے اپنے مکتوبات قدسیہ میں بھی عشری اور خراجی آراضی کی شرعی حیثیت پر بحث کی ہے۔[16] اٹھارہویں صدی عیسوی کے ایک اور عالم و مؤلف محمد اعلیٰ تھانوی نے اپنے رسالہ احکام الآراضی میں عشری اور خراجی آراضی پر بحث کے علاوہ ایک اہم نظریاتی نکتہ یہ اٹھایا ہے کہ ہندوستان میں آراضی کو عشری اور خراجی آراضی کی شرعی تقسیموں میں نہیں بانٹا جا سکتا کیونکہ اولین مسلم فاتحینِ ہند نے آراضیٔ ہند کو مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر کے ان کو عشری قرار نہیں دیا تھا۔ پھر ہندوستان کی زیادہ تر آراضی غیر مسلموں کے قبضہ میں تھی اور مسلمانوں نے اس کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کیا لہٰذا ان کو عشری کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس

کے علاوہ اس آراضی سے عشر یا دس فیصد سے زیادہ محصول وصول کیا جاتا تھا لہٰذا وہ عشری نہیں ہو سکتی۔ یہی دلیل انھوں نے خراجی آراضی کے بارے میں بھی دی ہے کہ اس سے نصف سے زیادہ محصول وصول کیا جاتا تھا لہٰذا وہ خراجی کیونکر ہو سکتی تھی۔ ان کی دوسری دلیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ مسلم سلاطین خاص کر مغل حکمراں آراضی ہند کو خراجی یا عشری (جیسا معاملہ ہو) تسلیم ہی نہیں کرتے تھے اور نہ ہی وہ اسلامی اصولِ آراضی کی نفی کرتے تھے۔ ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تمام آراضیٔ ہند بیت المال کی ملکیت تھی اور کاشتکار اور زمین دار کو اس پر مالکانہ حقوق حاصل نہ تھے لہٰذا حکمرانِ وقت بیت المال کے مولیٰ اور نگراں کی حیثیت سے آراضی سے جو چاہتے محصول وصول کر سکتے تھے اور کرتے تھے۔ ان تمام اسباب سے آراضیٔ ہند کے عشری اور خراجی ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔[۱۷]

محمد اعلیٰ تھانوی کے خیالات و افکار تمام سابق علماء، فقہاء اور نظریاتی مؤلفین کے بیانات و فتاویٰ سے مختلف ہیں اور صرف اسی بنا پر مردود نہیں ہیں بلکہ ان میں تضادات بھی کافی پائے جاتے ہیں۔ وہ ان کی لاعلمی کو بھی ظاہر کرتے ہیں کہ تمام سابق نظریات ساز مؤلفین اور مورخین کے بیانات کو نظر انداز کرتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ ہندوستان میں اولین فاتحین سے لے کر بعد کے فاتحین اور تمام حکمراں سلاطین اور ان کے حکام کے احکام و قوانین اور ان کے عملی اجراء و نفاذ کا انکار کرتے ہیں محض اس بنا پر کہ سلاطینِ وقت عشر و خراج کی مقررہ شرحوں سے زیادہ وصولیابی کرتے تھے وہ عشری اور خراجی آراضی کی تقسیم اور وجود کے منکر ہو جاتے ہیں جو ان کے یک طرفہ استدلال کا شاخسانہ ہے۔[۱۸]

(ب) سلاطین و فرمانروایانِ ہند کی زرعی پالیسی

ہندوستان کی اولین اسلامی فتح کے بعد محمد بن قاسم ثقفی نے جب مفتوحہ ممالک کا انتظامیہ درست کیا تو زیادہ تر آراضی ان کے سابق مالکوں کے قبضہ میں رہنے دی اور ان سے اسلامی خلافت کے حقوقِ مالکانہ کے طور پر خراج وصول کیا، اور کچھ آراضی مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر کے ان سے عشر حاصل کیا۔ خراج کے حوالے بکثرت ملتے ہیں

جبکہ عشر کے حوالے کم ہیں لیکن بالکل مفقود نہیں ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عشر و خراج کے محاصلِ آراضی کا الگ الگ ذکر کیا جائے۔

عشر اور عشری آراضی:

چچ نامہ کا بیان ہے کہ "محمد بن قاسم نے ان تمام لوگوں کی زمینوں کو جنھوں نے اسلام قبول کیا عشری تسلیم کر لیا تھا"۔[19] بلاذری وغیرہ آراضی اور مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق کا ذکر متعدد شہروں کے حوالے سے ضرور کرتے ہیں لیکن عشر کا حوالہ نہیں دیتے[20]

دہلی سلطنت کے بانی "سلطان قطب الدین ایبک نے مسلمانوں کی جائداد (غیر منقولہ) ان ہی کے ہاتھوں میں چھوڑ دی اور "خراج" جو ان کی زمینوں سے شرع اور احکامِ خداوندی کے خلاف وصول کیا جاتا تھا اور پیداوار کا پانچواں حصہ ہوتا تھا منسوخ کر دیا اور بعض مقامات پر "عشر" اور بعض علاقوں میں "نیم عشر" کی شرح مقرر کر دی"۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مذکورہ بالا اقتباس نقل کر کے کہتے ہیں کہ سلطان کا یہ فرمان بے شک "لاہور کے مسلمانوں کی ایک مختصر آبادی کے لیے تھا۔ بعد کے سلاطین نئی زمینوں کو عشری تسلیم کرنے میں بہت بخل سے کام لیتے تھے"۔[21] رقبہ اور آبادی کی کمی بیشی سے قطع نظر یہ حقیقت بہر حال ثابت ہوتی ہے کہ اولین فاتحین نے "عشر" اور "عشری آراضی" کو اپنی زرعی پالیسی کا ایک جزو بنایا تھا اور بعض مفتوحہ اور مقبوضہ آراضی کو عشری قرار دے کر ان سے پیداوار کا دسواں حصہ وصول کیا تھا۔ اس بیان میں "نیم عشر" (نصف عشر) کی موجودگی اور بھی معنی خیز ہے کہ سلطان نے اسلامی احکام آراضی کے مطابق نہ صرف عشر کا اصول جاری کیا تھا بلکہ نصف العشر کا بھی اور اہلِ علم پر یہ مخفی نہیں کہ نصف العشر پیداوار کا بیسواں حصہ (۱/۲۰) ہوتا ہے جو ان مسلم کاشتکاروں اور عشری آراضی سے لیا جاتا ہے جو اپنی آراضی کی سینچائی کے لیے اپنی محنت بھی لگاتے ہیں۔ عشری آراضی میں عشر اور نیم عشر (نصف العشر) ہی عائد ہوتا ہے۔ پانچواں حصہ تو خراجی آراضی کا محصول ہے اور عشری آراضی پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔[22]

سلطان غیاث الدین تغلق۔ نے محاصلِ آراضی کی جو پالیسی اپنائی تھی اس کے

بارے میں برنی کا بیان کافی گنجلک ہے۔ اس لیے جدید مورخین کا اس پر سخت اختلاف ہے۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے مؤلفین نے اس کو عشر یا دس فیصد مانا ہے جبکہ قریشی وغیرہ اس کو خراج اور بیس فیصد یا پیداوار کا پانچواں حصہ تسلیم کرتے ہیں۔ برنی کے جملہ میں عشر یا خراج کے الفاظ نہیں ہیں[۲۳] لیکن ابن بطوطہ کے بیان میں ہے کہ سلطانِ عصر محمد بن تغلق نے ۷۴۱ھ میں یہ حکم نافذ کیا تھا کہ لوگوں سے صرف زکوٰۃ اور عشر خاص کر لیا جائے[۲۴]

تغلق خاندان کے ایک دوسرے سلطان فیروز شاہ کے بارے میں شمس سراج عفیف نے لکھا ہے کہ سلطان نے بنجر زمینوں کو اپنی نہروں کے ذریعہ قابلِ کاشت بنایا اور پھر قانون دانوں، فقیہوں اور شیخوں کی مجلس طلب کرکے ان سے حقِ شرب کے بارے میں سوال کیا اور جب انھوں نے حقِ شرب میں دس فیصد پیداوار کا حصہ سلطان کا قرار دیا تو سلطان نے اس کو ایسی تمام آراضی سے وصول کیا۔ اگر ان تمام آراضی کو سرکاری یا بیت المال کی تسلیم کیا جائے تو وہ عشری قرار پاتی ہیں لیکن اگر ان کو سلطان کی نجی املاک کی آراضی تسلیم کیا جائے جیسا کہ قریشی وغیرہ نے کیا ہے تو وہ خراجی بن جاتی ہیں کیونکہ اس صورت میں ان کے کاشتکاروں کو بیس فیصد (دس فیصد حقِ شرب جمع دس فیصد محصولِ پیداوار) ادا کرنا ہوتا تھا۔ اس میں زیادہ اہم عفیف کا دوسرا بیان ہے کہ فیروز شاہ نے خواجہ حسام الدین جنید کو مملکت کے خراج کی تشخیص کے لیے مقرر کیا تھا اور انھوں نے چھ سال تک مطالعاتی دوروں اور اپنے تجربہ کے بعد اس کی تعین کی تھی[۲۵]

فیروز تغلق کے حوالہ سے ہی یہ بیان ملتا ہے کہ "مملکت اکثر غیر مزروعہ زمین کے قطعات علماء و صلحاء کو دے دیتی تھی[۲۵] تاکہ وہ انھیں زیرِ کاشت لائیں۔ ایسی زمین پر انھیں صرف عشر ادا کرنا تھا۔ اگر وہ خود ان زمینوں پر کاشت نہیں کرتے تھے تو کسانوں کو یہ ترغیب دے سکتے تھے کہ ان علاقوں میں آباد ہو جائیں اور انھیں حسبِ معمول پیداوار کا بیس فیصد ادا کردیں۔ اس میں سے وہ عشر (پیداوار کا دس فیصدی) مملکت کو ادا کردیتے تھے۔" اس لحاظ سے بہرحال یہ تمام آراضی جو احیائے موات کی ذیل میں آتی ہے عشری بن جاتی ہے[۲۶] ابن بطوطہ نے ایسی آراضی کے بارے میں کہا ہے کہ ان سے مملکت عشر

وصول کرتی تھی۔ تو اس سے نہ صرف عہد فیروز شاہ کے بارے میں تصدیق ہوتی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن تغلق کے عہد میں بھی اور غالباً اس سے قبل بھی ایسی تمام آراضی سے صرف عشر وصول کیا جاتا تھا۔ فتوحات فیروز شاہی کے ایک بیان سے مزید واضح ہوتا ہے کہ بعض آراضی سے سلطان فیروز صرف عشر وصول کرتا تھا۔[۴۷] انشائے ماہرو کا مکتوب ۲۸ بھی یہ واضح کرتا ہے (جیسا کہ اوپر حوالہ آچکا) کہ کم از کم بعض علاقوں میں بعض آراضی سے عشر کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔[۴۸]

مغل سلطنت میں عشر کے نفاذ اور عشری آراضی کے وجود سے اکثر جدید مورخین نے انکار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا انحصار ابوالفضل کے ایک بیان پر ہے کہ جب اسلامی ممالک میں عشر اور عشری آراضی کا وجود نہیں رہ گیا تو ہندوستان میں اس کی توقع کرنا عبث ہے اس طرح وہ عشر سے انکار کرتا ہے۔ عشری آراضی اور عشر کے بارے میں جو بعض حوالے ملتے ہیں ان کو نظریاتی اور شرعی بحث قرار دے کر ان کے مغل سلطنت میں وجود سے یکسر انکار کیا گیا ہے۔[۴۹] لیکن بعض تاریخی شواہد کا تقاضا ہے کہ ان کا جائزہ از سر نو لے کر نتیجہ نکالا جائے۔

بلاشبہ دہلی سلطنت کے مانند بلکہ اس سے بھی زیادہ مغل سلطنت کے باب میں عشر اور عشری آراضی کے حوالے کم ملتے ہیں لیکن بہرحال دو چار ملتے ضرور ہیں۔ فقہی کتب اور فتاویٰ وغیرہ کے مباحث عشر و عشری آراضی کے علاوہ ایک اہم حوالہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مکتوبات قدوسیہ میں ملتا ہے جو عہد اکبری سے متعلق ہے۔ وہ پوری صراحت کے ساتھ انعام یا فتگان کی آراضی کو ان کی ملکیت اور عشری قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے قبضہ میں آنے والی ساری آراضی سے صرف عشر لیا جا سکتا ہے۔ چونکہ وہ انعام آراضی کے زمرہ میں آتی ہے یا بعض علماء، سیاستدانوں اور ریاست کے خادموں کو ان کی خدمات کے عوض بطور انعام دی جاتی ہے اس لیے ان کا مالیہ یعنی عشر بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔

لیکن سب سے اہم شہادت دیوان گجرات محمد ہاشم کے نام اورنگ زیب کے فرمان (مجریہ ۱۶۶۹ء) سے حاصل ہوتی ہے جو واضح طور سے بیان کرتا ہے کہ ہندوستان میں کچھ آراضی خراجی تھی اور کچھ عشری۔ خاص طور سے احیاء موات کے عشری ہونے کا صریح

ذکر ہے۔

خراج اور خراجی آراضی

عشر کے مقابلے میں اگرچہ خراج اور خراجی آراضی کے حوالے زیادہ ملتے ہیں تاہم مجموعی طور سے ان کی تعداد بھی کافی کم ہے اور مفتوحہ آراضی کو ان کے سابق مالکوں اور دوسرے غیر مسلموں کے قبضہ و کاشت میں دینے کے حوالے اور شہادتیں کمتر۔ بہرکیف اتنے حوالے اور شہادتیں ملتی ہیں کہ ان کی بنا پر سلاطینِ وقت کے معاملہ اور عمل کے بارے میں کوئی قطعی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

فتوحاتِ سندھ کے ضمن میں بلاذری نے بیان کیا ہے کہ محمد بن قاسم ثقفی نے متعدد شہروں اور علاقوں کے لوگوں سے صلح کرنے کے بعد یا ان کو بزورِ شمشیر فتح کرکے ان پر خراج عائد کیا تھا۔ ان میں سے سمینہ سربیدس کی کوشش سے مہران اور سدوسان سے خراج وصول کرنے کا واضح ذکر ہے۔ اسی طرح رور سے بھی خراج وصول کرتے کا قطعی ذکر ملتا ہے۔ بعد کے ادوار میں سے خلیفہ ہشام بن عبدالملک اموی کے عہد میں شطِ مہران کے تمام بلاد سے خراج کی وصولیابی کا ایک حوالہ ملتا ہے۔[۳۱]

دہلی سلطنت میں خراج کے حوالے تقریباً پورے عہد میں ملتے ہیں۔ تاریخ فخرالدین مبارک شاہ کا جو حوالہ اوپر گزر چکا ہے کہ سلطان ایبک نے مسلمانوں سے وصول کیے جانے والے خراج کو ختم کرکے ان کی آراضی کو عشری قرار دیا تھا بتاتا ہے کہ مسلم حکمرانوں کے زیرِ نگیں علاقوں میں دہلی سلطنت کے قیام سے قبل بھی خراجی آراضی کے مالکوں سے خراج وصول کیا جاتا تھا خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم اور سلطان ایبک نے دہلی سلطنت کے قیام کے بعد مسلمانوں کے سوا دوسرے تمام مالکانِ خراجی آراضی سے خراج وصول کیا تھا۔[۳۲] اگرچہ ایبک اور عہدِ اکبری کے دوسرے حکمرانوں کے زمانے میں (۱۲۰۶-۹۰ء) خراج اور خراجی آراضی کے حوالے صفر کے برابر ہیں تاہم تمام قدیم و جدید مورخین کا اتفاق ہے کہ اس پورے دور میں بلکہ اس کے بعد کے تمام ادوار میں ہندوستان کی آراضی زیادہ تر خراجی رہی اور ان سے خراج ہی وصول کیا جاتا رہا۔ اگرجدید مورخین کا اختلاف کسی بات پر

ہے تو وہ خراج کی شرح پر ہے کہ وہ ۱/۵ ، ۱/۴ ، ۱/۳ اور ۱/۲ میں سے کتنی کس دور میں تھی۔ خراج کی شرحوں سے قطعِ نظر یہ بات قطعی ہے کہ خراج عام اور معمول کا محصولِ آراضی تھا جو پوری دہلی سلطنت میں لاگو رہا۔[۳۳]

اس کی تصدیق بہت حتمی طور سے سلطان علاءالدین خلجی کے زرعی اقدامات و اصلاحات سے ہوتی ہے۔ خلجی سلطان نے خراج کے سلسلہ میں جو مفصل قواعد و ضوابط بنائے تھے ان کا مفصل ذکر برنی نے کیا ہے۔ ان اقدامات کا ہمارے مقصد کے لحاظ سے اہم ترین حصہ یہ ہے کہ سلطان نے خراج کی وصولیابی میں دو بنیادی کام کیے تھے: اول یہ کہ کم از کم دوآب میں تمام آراضی کی پیمائش کر کے اس سے نصف پیداوار (۱/۲) بطور خراج وصول کیا جائے اور اس میں خوط و بلاہر (زمیندار و کاشتکار) کے درمیان کوئی تفریق نہ کی جائے اور تمام محاصل خراج دہندگان کے بارے میں ایک "حکم" جاری ہو اور دوم یہ کہ اقویار (طاقتوروں) کا خراج ضعفاء پر نہ عائد ہو، اور کوئی بھی خراج کی ادائیگی میں ہیرا پھیری نہ کرے۔[۳۴] برنی کے اس بیان کی تشریح و تعبیر اور علاءالدین خلجی کے زرعی اقدامات کے رقبہ اور علاقے میں جدید مورخین کا اختلاف ضرور ہے[۳۵] تاہم اس دور میں خراج اور خراجی آراضی کی موجودگی سے کسی کو انکار نہیں۔ اسی طرح علائی جانشین سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے بارے میں برنی نے بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے باپ کے بھاری خراج کو اور اونچے مطالبات کو کم کر دیا اور خراج کی کمتر شرح نافذ کر دی۔[۳۶]

تغلق عہد کے تین سلاطین کے بارے میں خراج سے متعلق کافی تفصیلات ملتی ہیں۔ سلطان غیاث الدین تغلق نے خراج کی شرح میں جو کمی کی تھی اس کے بارے میں جدید مورخین کا اختلاف ہے کیونکہ برنی کا جملہ متعلقہ کافی گنجلک اور پیچیدہ ہے۔[۳۷] اسی طرح سلطان محمد بن تغلق کے دور میں خراج کی شرحوں کا معاملہ پیچیدہ ہے کہ دوآب کے علاقے میں اس کی شرحِ خراج دورِ علائی کی مانند پچاس فیصد تھی اور بقیہ مملکت میں معمول کے مطابق جو بقول قریشی "کم سے کم خراج دوگنا عشر یا پیداوار کا پانچواں حصہ ہوتا تھا۔[۳۸] سب سے زیادہ فیروز تغلق کے عہد سے متعلق خراج کے حوالے ملتے ہیں کہ وہ ابواب ادا کرنے والی زمینوں سے خراج وصول کرتا تھا۔ برنی

شمس سراج عفیف، فتوحات فیروزشاہی، سیرتِ فیروزشاہی، انشائے ماہرو وغیرہ متعدد ماخذ سے واضح ہوتا تھا کہ سلطنت کے بیشتر علاقوں سے خاص کر خراجی آراضی سے برابر خراج وصول کیا جاتا رہا تھا اور یہ صورت حال برابر مغل سلطنت کے قیام تک جاری رہی[۳۹]

مغل سلطنت کے بیشتر ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ خراج عام اور معمول محصولِ آراضی تھا جو مسلموں اور غیر مسلموں دونوں سے وصول کیا جاتا تھا اور جدید مورخین کے مطابق ہندوستان کے تقریباً سبھی علاقے خراجی آراضی ہی کے ضمن میں آتے تھے اس سلسلہ میں آئینِ اکبری، مرآۃ احمدی، قانون ہمایونی، فرامینِ سلاطینِ مغلیہ خاص کر محمد ہاشم دیوانِ گجرات کے نام فرمان اورنگ زیب عالمگیر وغیرہ تمام مغل ماخذ خراج کے ذکر اور خراجی آراضی کے حوالوں سے بھرے پڑے ہیں[۴۰]

تعلیقات وحواشی

[۱] اسلامی قوانینِ زراعت اور احکامِ آراضی پر حسب ذیل ماخذ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

قاضی ابویوسف	کتاب الخراج
یحییٰ بن آدم	کتاب الخراج
امام شافعی	کتاب الام
ابوعبید القاسم بن سلام	کتاب الاموال
ابوالحسن الماوردی	الاحکام السلطانیۃ
امام مرغینانی	الہدایۃ

خلفائے اسلام کے احکام و فرامین اور عملی طریقوں کے لیے بہترین کتاب ایک مستشرق ڈینیل سی ڈینٹ (DANIEL C DENNETT.) کی تصنیف COMENSION AND THE POLL TAX IN EARLY ISLAM ہے جس کا اردو ترجمہ مولانا غلام رسول مہر نے جزیہ اور اسلام (شیخ غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار لاہور ۱۹۶۲ء) کے عنوان سے کیا ہے۔ اس مقالہ میں اسی ترجمہ کے حوالے آگے آئیں گے۔

۲؎ اشتیاق حسین قریشی THE ADMINISTRATION OF THE SULTANATE OF DELHI کراچی ۱۹۵۸ء اور نئی دہلی ۱۹۷۱ء اردو ترجمہ از بلال احمد زبیری بعنوان سلطنت کا نظم حکومت، کراچی یونیورسٹی کراچی ۱۹۷۱ء۔ مقالے میں حوالے ترجمہ کے ہیں اور بعض مقامات پر انگریزی کتاب کے حوالے جن کی وضاحت کردی گئی ہے۔

ڈاکٹر قریشی نے یہ وضاحت کی ہے کہ مسلم نظام زراعت اور طریقۂ محاصل آراضی نے ہند قدیم و متوسط کے قوانین وضوابط اور انتظامات سے بھی استفادہ کیا تھا ان سے ہم آہنگی بھی پیدا کی تھی کیونکہ ان دونوں میں منافرت وتضاد نہ تھا بلکہ یک گونہ مماثلت ویکسانیت تھی۔ مثلاً انگریزی کتاب کے صفحات ۱۰۳-۱۰۶ بالخصوص۔ یہ دوسری تحقیق طلب بحث ہے۔ چند مثالیں درج ہیں: اسلامی نظام خراج کے مماثل ہندو ضابطہ تھا کہ کاشتکار اپنی پیداوار کا ایک حصہ۔ متناسب حصہ۔ بادشاہ یا راجہ کو ادا کرے کہ یہ مؤخرالذکر کا حق ہے۔ ثانی کا ہندو طریقۂ خراج مقاسمہ ہی کی ایک شکل ہے۔ ہندو طریق پیمائش میں خراج مقاطعہ کی ایک شکل ملتی ہے۔ نظریاتی اور عملی مماثلتوں کے علاوہ ہندو قدیم روایات وطریقے بھی مسلمان فاتحوں نے قبول کرلیے تھے۔

۳؎ جدید مورخین نے معاصر اور نیم معاصر مورخوں اور علماء کے بیانات پر ان تمام ادوار حکومت اور ان کے نظام زراعت کا مطالعہ کیا ہے۔ ان میں حسب ذیل اہم ہیں: مورلینڈ (MORELAND) اشتیاق احمد قریشی، عرفان حبیب، نعمان احمد قریشی بی آر گروور اور بعض دوسرے مورخین قرون وسطی۔

۴؎ بلاذری، فتوح البلدان، دارالنشر للجامعین۔ بیروت ۱۹۵۷ء، ص۶۰۷-۶۲۷ نے اسلامی فتح سندھ کے بارے میں اس کی نوعیت کا بھی ذکر الگ الگ شہروں کے حوالے سے کیا ہے۔ مثلاً بزور شمشیر (عنوۃً) فتح کیے جانے والے شہروں میں حسب ذیل کو گنایا ہے: دیبل (ص۶۱۴)، راور (ص۶۱۶)، برہمن آباد (ص۶۱۶) صلح کے ذریعہ فتح کی گئی آراضی میں شامل ہیں: البیرونی (ص۶۱۳) سُمَنِیّہ سربیدس، سرندس (ص۶۱۵) ساوندری اور بسمد اور ررور (ص۶۱۶-۶۱۷)

متعدد شہروں کے حوالے سے بلاذری نے خراج وغیرہ لگانے کا ذکر کیا ہے جس کا حوالہ آگے آتا ہے۔ مفتوحہ ممالک وبلاد سندھ کی جغرافیائی تعیین کے لیے ملاحظہ ہو: سندھ کی عرب فتح سے متعلق کتابیں۔ بالخصوص اے بی ایم حبیب اللہ، فاؤنڈیشن آف مسلم رول ان انڈیا، ایشوری پرساد، اے شارٹ ہسٹری آف مسلم رول ان انڈیا وغیرہ۔ موخرالذکر کے مطابق مفتوحہ شہروں کے نام تھے: دیبل (DEBAL) نیرون (NIRUN) راور (RAWAR)، برہمن آباد

(BRAHMANABAD) ملتان (MULTAN) بقیہ شہروں کا ذکر نہیں کیا۔

۵ہ جزیہ اور اسلام، ۶۸-۶۵ ومابعد۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عراقی آراضی پر مسلم قبضہ کے بعد یہ تین صورتیں پیش آئی تھیں۔ کم وبیش بقیہ دوسرے مسلم مقبوضاتِ عراق وشام ومصر وخراسان وغیرہ میں آراضی انھیں تین قسموں میں بانٹی جاتی تھی اور ان میں سے ہر ایک پر اس کی قسم/نوعیت کے مطابق محصول آراضی لگایا جاتا تھا۔ خلافت راشدہ کا یہ نظام زراعت بعد کے ادوار خلافت بالخصوص اموی دور میں بھی چند معمولی تبدیلیوں کے ساتھ جاری رہا۔

۶ہ بلاذری، فتوح البلدان، ص۶۲۷-۲۹ نے فتوح السند کے باب کے مابعد "فی احکام آراضی الخراج" کا باب قائم کیا ہے جس میں زیادہ تر نظریاتی اور قانونی بحث اور فقہاء کرام کے نظریات، آرا اور فتاویٰ ہیں۔

۷ہ عبدالحمید محرر غزنوی، دستور الالباب فی علم الحساب (مرتبہ ۷۶۰-۷۳۴ھ / ۱۳۳۳-۵۹ء) مخطوطہ رضا لائبریری رامپور نسخہ کتابت شیخ عبدالرشید ص۱-۶۰؛ نسخہ خاکسار ص۱-۵۱ صفحات کے حوالے خاکسار کے نسخہ کے ہیں۔

عشر کی شرعی تعریف یہ کی ہے: "ہرچہ از زمینہا ی کہ از زمینہاء مسلمانان باشد وباذن واجازت امام مسلمانان احیاء کردہ باشند لستانند آن عشر باشد" جبکہ خراج کی تعریف میں بیاض ہے۔ البتہ وجوہات بیت المال پر باب دوم میں عشر و خراج کی تعریف بھی مفصل ہے اور ان کی اقسام بھی بتائی ہیں۔ عشر کی پانچ اقسام (ص۲۰-۱۱۸) اور خراج کی بھی "پنج وجہ" (ص۳۱-۱۲۷) اور دو نوع: خراجِ مقاطعہ اور خراجِ مقاسمہ بتائی ہیں۔

۸ہ دستور الالباب ص۷-۶۔

۹ہ عبدالحمید محرر غزنوی نے اسلامی شریعت اور اسلامی تاریخ جیسے کوذمیں حضرت عمر فاروق کے احکامِ خراج اور دوسرے فقہاء کے آراء کا ذکر تو کیا ہے لیکن ہندوستان کے حکام وفقہاء کے احکام وآراء کے حوالے نہیں دئے ہیں۔

۱۰ہ فتاوائے فیروزشاہی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری، ورق ۲۲۹ الف، ۲۲۴ الف، ۲۵۵ الف اور ۲۵۳ ب بحوالہ ظفر الاسلام SOCIO-ECONOMIC DIMENSION OF FIQH LITERATURE IN MEDIEVAL INDIA دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور ۱۹۹۰ء، ص۷-۵۶ اور حواشی ص۶-۶۵

۱۱ہ اشتیاق حسین قریشی (اردو ترجمہ) ص۱۰۶ حاشیہ ۳۴ میں فتاوائے فیروزشاہی کا حوالہ فقہ فیروزشاہی کے نام سے دیا ہے اور ورق ۱۴۲ کے حوالہ سے خراجی جائداد کے خراجی رہتے یا مسلمان کے قبضہ میں

آنے سے عشری بننے کے بارے میں بالترتیب امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مسالک کا ذکر کیا ہے۔

۱۲ھ سلطنت دہلی کا نظم حکومت ص۱۰۸ حاشیہ ۴۳ بحوالہ فقہ فیروز شاہی اوراق ص۲۰-۲۱۰، تحفۃ الکرام ورق ۲۵۸ الف وغیرہ۔ تحفۃ الکرام علی شیر قانی کی تالیف ہے۔ ڈاکٹر قریشی فقہ فیروز شاہی فتاوائے فیروز شاہی ہی کو کہتے اور لکھتے ہیں۔

۱۳ھ فتاوائے عالمگیری، کتاب السیر، باب ہفتم دربیان عشر وخراج؛ اردو ترجمہ مولانا سید امیر علی، حامد اینڈ کمپنی دہلی ۱۹۸۸ء جلد سوم ص۳۵-۴۲۵؛ ظفر الاسلام "آراضی ہند کی شرعی حیثیت ۔عہد مغلیہ کے علماء کی نظر میں" برہان دہلی مارچ ۱۹۸۴ء، ص۲۳-۷۰؛ جون ۱۹۸۴ء، ص۳۶-۹ اور ص۶۵؛ نیز نور الحسن راشد کاندھلوی، آراضی ہند کی شرعی حیثیت (چند قدیم تحریریں) معارف اعظم گڑھ اپریل ۱۹۷۵ء، ص۳۵-۲۲؛ مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام آراضی، کراچی ۱۳۶۷ھ، ص۱۰۲-۹۹

۱۴ھ علی محمد خاں، مرآۃ احمدی، بڑودہ ۱۹۷۲ء، اول ص۷۲-۲۶۸؛ جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۹۰۶ء جلد دوم ص۴۹-۲۳۸؛ ظفر الاسلام، سوشیو اکنامک ڈائمنشن، مذکورہ بالا اور

AURANGZAB'S FARMAN ON LAND TAX-AN ANALYSIS IN THE LIGHT OF FATAWA-E- ALAMGIRI

۱۵ھ رسالہ در بیع آراضی، مخطوطہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، شیفتہ کلکشن فقہ عربیہ ۲۴/۲۶، اوراق ۶ب تا ۸ب

۱۶ھ شیخ عبد القدوس گنگوہی، مکتوبات قدسیہ، دہلی احمدی پریس ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء، ص۳۳۸ (مکتوب ۱۷۱)

۱۷ھ رسالہ احکام الآراضی مخطوطہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا آزاد لائبریری، اوراق ۵۲ب تا ۶۱ب؛ ظفر الاسلام، سوشیو اکنامک ڈائمنشن ص۱۱۰-۹۹

۱۸ھ ہندوستانی تاریخ کے قرون وسطیٰ کے ماہرین میں بالعموم تمام غیر مسلم اہل قلم اور مسلمانوں میں عرفان حبیب وغیرہ عشر وخراج کے نفاذ کے سلسلہ میں یہ رویہ اپناتے ہیں۔ مآخذ سے بہر حال ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کی آراضی کے مالیہ میں عشر اور خراج کے احکام نافذ کئے گئے تھے۔ اشتیاق حسین قریشی جیسے مورخین نے اس کے وافر ثبوت فراہم کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو ان کی انگریزی کتاب میں LAND REVENUE کی فصل ص۱۲۴-۱۰۰ ومابعد

۱۹ھ چچ نامہ، ورق ۱۳۹ الف، اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم مملکت ص۱۰۸ اور حاشیہ ۱۴

۲۰ھ بلاذری، فتوح البلدان ص۶۰۹ کا بیان ہے کہ حضرت معاویہ کے زمانۂ خلافت میں والی مشرق زیاد بن ابی سفیان نے سنان بن سلمہ بن المحبق الہذلی کو والی ہند بنایا، انھوں نے مکران کو بزور طاقت

فتح کیا اور اسے آباد کیا، وہاں قیام کیا اور علاقے کا انتظام کیا (ففتح مکران عنوۃ و مصّرہا، واقام بہا، وضبط البلاد)

۲۱؎ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ، مرتبہ سر ای ڈینی سن راس (.SIR DENISON ROSS) لندن ۱۹۲۷ء ص۳۳-۳۴؛ سلطنتِ دہلی کا نظم حکومت ص۱۲۰ نیز ص۱۰۸ جہاں انھوں نے عشر یا نیم عشر کے لیے دسواں یا بیسواں حصہ استعمال کیا ہے۔

۲۲؎ خراج زمین کی پیداوار پر زکوۃ یا مالیہ متناسب (PROPORTIONAL) ہوتا ہے یعنی۔ نصف ($\frac{1}{2}$) ثلث ($\frac{1}{3}$) ربع ($\frac{1}{4}$) یا خمس ($\frac{1}{5}$)۔ مورخین ہند، اہلِ سیر اور عام فقہاء کے نزدیک خراج کی گراں ترین شرح نصف ($\frac{1}{2}$) ہو سکتی ہے اور کم سے کم $\frac{1}{5}$۔ عشری آراضی میں صرف دو ہی شرحیں ممکن ہیں: $\frac{1}{10}$ یا $\frac{1}{20}$۔

۲۳؎ برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص۴۲۹ کی عبارت ہے۔ "دیوان وزارت را فرمان داد کہ زیارت از یک دہ یازدہ بر اقطاعات و ولایات بظن و تخمین دیا بسعایت ساعیان و منو داران موفران نزوند"۔ CAMBRIDGE HISTORYOF INDIA، سوم ص۱۲۸ بحث کے لیے ملاحظہ ہو: قریشی، سلطنت دہلی کا نظم مملکت ص۱۲۱-۱۲۲۔

۲۴؎ ابن بطوطہ، رحلہ، قاہرہ ۱۹۲۸ء، دوم ص۵۱ کی عبارت ہے" فی سنۃ احدی واربعین امر السلطان ان لا یوخذ من الناس الا الزکوٰۃ والعشر خاصۃ؛"

۲۵؎ شمس سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہی، ص۱۲۹-۱۳۰؛ قریشی، سلطنتِ دہلی کا نظم حکومت، ص۶۰-۲۵۸ ضمیمہ ز عفیف، مذکورہ بالا ص۹۴؛ ظفر الاسلام، عہد فیروز شاہی کا نظام محاصل (شرعی قوانین کی روشنی میں) تحقیقات اسلامی، علی گڑھ۔ جنوری۔ مارچ ۱۹۸۴ء ص۲۸-۳۲ اور ص۳۸-۴۲

۲۶؎ سیرت فیروز شاہی ص۱۴۷ مخطوطہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ؛ عبداللہ ماہرو، انشائے ماہرو، مکتوب ۲۸ ص۶۱-۶۲۔

۲۷؎ فتوحات فیروز شاہی، علی گڑھ ۱۹۴۳ء، ص۶ بحوالہ ظفر الاسلام، عہد فیروز شاہی کا نظام محاصل (شرعی قوانین کی روشنی میں) تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جنوری مارچ ۱۹۸۴ء، ص۲۸-۳۲ اور ص۳۸-۴۲

۲۸؎ انشائے ماہرو مکتوب ۲۸

۲۹؎ آئین اکبری کی متعلقہ بحث۔ عرفان حبیب نے اپنی کتاب میں اس سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔ مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو آئین اکبری۔ اول ۹۵-۲۹۳ و ما بعد اور دوسرے متعلقہ مباحث۔

۳۰ھ بحوالہ ظفر الاسلام کی کتاب مذکورہ بالا۔

۳۱ھ بلاذری، فتوح البلدان، ص۷-۶۱۵، ص۶۲۰

۳۲ھ تاریخ فخر الدین مبارک شاہ ص۷-۶

۳۳ھ اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص۲۵-۱۱۹

۳۴ھ برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص۲۸۷ ... کی عبارت ہے .... دہر ہمہ را از خوطہ و بلاہر در بستن، خراج یک پیدا آید و خراج اقویا بر ضعفا نیفتد.... دو ضابطہ پیدا آوردند، اول: آنکہ انچہ زراعت می کنند از قلیل وکثیر بحکم مساحت و دفائی بسوہ کنند و بی ہیچ تفاوتی نصف بدہند و در ین دادن، خوطان را و ظاہران را ہیچ فرقی نباشد.... تا ہیچ غنی و شترگر بہ در ستدن خراج نماند و بار اقویا بر ضعفا نہ نہند و اقویا، ضعفا، را در دادن خراج یک حکم باشد۔ نیز ملاحظہ ہو برنی ص۴-۳۲۳

۳۵ھ قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص۱۲۱

۳۶ھ برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص۳۸۳

۳۷ھ برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص۴۲۹؛ قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص۲-۱۲۱

۳۸ھ برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص۴۷۳ کا بیان یوں ہے: "خراج میان ولایت دہ آب یکے بدہ ویکے بہ بیست می باید ستد"

قریشی، سلطنت دہلی کا نظم مملکت، ص۲-۱۲۲ نیز حاشیہ ۱۱۰ جس میں اس جملہ کی مفصل تشریح اور مختلف نقطہ ہائے نظر کا ذکر ہے۔

۳۹ھ فتوحات فیروز شاہی ص۶؛ برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص۳۸۲؛ سیرت فیروز شاہی ص۱۱۱؛ انشائے ماہرو ص۶۳-۶۱، ص۶-۱۶۵

۴۰ھ مثلاً ملاحظہ کیجئے: ابوالفضل علامی، آئین اکبری، کلکتہ ۱۸۶۷ء، اول ص۲۹۳ وغیرہ

علی محمد خاں، مرأۃ احمدی، مرتبہ نواب علی، بڑودہ ۱۹۴۲ء، اول ص۷۳-۲۶۸؛

جدید و معاصر مورخین میں خاص کر ملاحظہ ہوں: ڈبلو ایچ مورلینڈ (W.H. MORELAND)

THE AGRASION SYSTEM OF MOSLIM INDIA، دہلی ۱۹۶۸ء

اشتیاق حسین قریشی: THE ADMINISTRATION OF MUGHAL EMPIRE، کراچی ۱۹۶۶ء

عرفان حبیب: THE AGRASION SYSTEM OF MUGHAL INDIA. بمبئی ۱۹۶۳ء

اوراس کا اردو ترجمہ از جمال محمد صدیقی بعنوان مغل ہندوستان کا طریق زراعت، نئی دہلی ۱۹۷۷ء، خاص کر باب ششم: مالگذاری زمین۔

نعمان احمد صدیقی۔ LAND REVENUE ADMINISTRATION UNDER THE MUGHALS، بمبئی ۱۹۷۰ء

ظفرالاسلام، سوشیو اکنامک ڈائمنشن، خاص کر باب چہارم ص ۴۳-۶۹ بحث برفرمان اورنگ زیب۔

اسلامی نظام معاشرت پر اعتراضات کا مسکت جواب

مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ

مولانا سید جلال الدین عمری

اس کتاب میں اسلام میں عورت کے مقام و مرتبہ پر مخالفین کے اعتراضات کا علمی جائزہ لیا گیا ہے اور بہت مدلل انداز میں ان کا رد کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اسلام کے زیر سایہ عورت کو حاصل حقوق بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں مہر، نفقہ، تعدد ازدواج، طلاق، نفقۂ مطلقہ، خلع، حجاب، وراثت، قصاص، دیت، شہادت، خاندان کی سربراہی اور سیاسی قیادت جیسے موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ مصنف نے بدلائل واضح کیا ہے کہ ان تمام مسائل میں اسلام نے عورت کی مخصوص جسمانی صلاحیت اور طبعی رجحانات و میلانات کی بھرپور رعایت کی ہے اور اس کے حقوق اور ذمہ داریوں میں توازن رکھا ہے۔ تیسرا ایڈیشن مجلد صفحات ۲۰۰ ۔ قیمت ۶۰ روپے

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مرکزی مکتبہ اسلامی نئی دہلی نے The Rights of MUSLIM WOMAN - An Appraisal کے نام سے شائع کیا ہے۔ صفحات: ۲۳۴ قیمت ۷۰ روپے

اس کا ہندی ترجمہ بھی اشاعت کے مرحلے میں ہے۔

ملنے کے پتے: (۱) ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی پان والی کوٹھی۔ دودھ پور، علی گڑھ - ۱

(۲) مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز۔ ابوالفضل انکلیو۔ نئی دہلی ۲۵۔